عثمانؓ

صرف تاریخ کی روشنی میں

از

(جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین)

مترجم

(مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی)

عہد فاروقی کے عمّال اور حضرت عثمانؓ

یہ عامل جن کے نام حضرت عثمانؓ نے یہ فرمان لکھے تھے سب کے سب حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان کو اپنے عہدوں پر سال بھر باقی رکھا جس کی خود حضرت عمرؓ نے وصیت کی تھی، دور اندیشی اور معاملہ فہمی کے پیش نظر اس سے صحیح کوئی اور وصیت نہیں ہو سکتی تھی، حضرت عمرؓ کو خطرہ ہوا کہ کہیں اقتدار سے مستفید ہونے میں خلیفہ عجلت کر بیٹھے، بعض جدید تقررات یا بعضوں کو معزول کردے ایسی حالت میں عُمّال نے جن کاموں کا آغاز کر رکھا ہے اس میں رکاوٹ یا تعطل پیدا ہو جائے گا جس سے سرحدوں اور شہروں میں مسلمانوں کے معاملات میں ایک گونہ بدنظمی اور انتشار پھیلے گا۔ حضرت عثمانؓ نے اس وصیت پر پوری شدت کے ساتھ عمل کیا اور عاملین کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ عثمانی عہد میں یا اس کے پہلے سال تک اسی سیاست پر عمل درآمد کرتے رہیں جو حضرت عمرؓ چلاتے رہے، حضرت عثمانؓ نے پورے سال بھر عزل و نصب کی کوئی کارروائی نہیں کی اور جو کچھ عُمّال کی طرف سے ہوتا رہا اسے منظور فرمایا۔

مکہ کے گورنر نافع بن عبد الحارث خزاعی تھے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں وہ قریشی نہیں ہیں، اور طائف کے گورنر سفیان بن عبداللہ ثقفی تھے اور وہ بھی قریشی نہیں ہیں، طائف بنی ثقیف کا شہر ہے، صنعا کی گورنری پر یعلیٰ بن منیہ تھے اور وہ بھی صلبی قریشی نہیں ہیں بلکہ بنی نوفل بن عبد مناف کے حلیف ہیں، جند کے گورنر عبداللہ بن ابو ربیعہ تھے جو بنی مخزوم سے ہیں اور قریشی ہیں کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ تھے جو ثقفی ہیں، بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری تھے جو نہ قریشی ہیں، نہ مضری اور نہ عدنانی بلکہ یمنی ہیں مصر کے گورنر عمرو بن عاص تھے جو بنی سہم سے ہیں اور قریشی ہیں حمص کے گورنر عمیر بن سعد ہے جو انصاری ہیں اور دمشق کے گورنر معاویہ بن ابی سفیان تھے وہ بنی امیہ سے ہیں، اور قریشی ہیں فلسطین کے گورنر عبدالرحمٰن بن علقمہ تھے اور وہ کنانی ہیں، بحرین اور اس کے مضافات کے گورنر عثمان بن ابی عاص ثقفی تھے۔

یہ عاملوں کی اور ان کے مقامات کی تفصیل ہے حضرت عثمانؓ نے وصیت کے مطابق اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی، اور اپنی خلافت کے پورے ایک سال تک نہ کوئی جدید تقرر کیا اور نہ کسی کو معزول کیا لیکن اس کے سوا معاملات میں انھوں نے اقدامات کئے، چنانچہ عبیداللہ بن عمرؓ کے مقدمے کا فیصلہ کرنے، گورنروں، افسروں اور عوام کے نام فرامین لکھنے کے بعد سب سے پہلا کام جو آپ نے انجام دیا وہ لوگوں کے وظیفوں میں اضافہ کر دینا تھا، آپ نے مقررہ روزینے میں سو، سو کا اضافہ کر دیا، حالانکہ آپ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کے وصال پر ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی گذرنے نہ پائے تھے، اور اس وقفے میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوئی تھی جسے اس غیر معمولی اضافے کا باعث بتایا جا سکے، تب اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کا آغاز لوگوں کی خوش حالی اور فارغ البالی سے کرنا چاہتے تھے، لیکن معلوم نہیں خلیفہ، اس قسم کی عام خوش حالی کے لئے بیت المال سے اخراجات کرنے کا جب کہ نہ تو لوگوں کی ضروریات کا تقاضا ہوا ہو نہ بیت المال کی آمدنی غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ہو کہاں تک مجاز ہے؟

لیکن کم از کم اتنا تو بہرحال ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمانؓ کا یہ اضافہ، حضرت عمرؓ کے مالی مسلک سے کچھ تھوڑا سا انحراف ہے، جس میں بیت المال کی بچت اور بقدر ضرورت خرچ، دونوں باتیں پیش نظر تھیں، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت عمرؓ کی مالی سیاست میں ایک قسم کی سختی محسوس ہوتی تھی اور وہ دل ہی دل میں اس شدت کو ناپسند فرماتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ فاروق اعظمؓ جو کچھ لوگوں کو دیتے ہیں بیت المال میں اس سے زیادہ دینے کی گنجائش ہے، لیکن یہ بالواسطہ حضرت عمرؓ کی اس زندگی پر تنقید ہے جس کا تعلق بیت المال کی سیاست سے ہے۔

اور کیوں نہ ہم اشارات اور کنایات کا پردہ ہٹا کر کھلے طور پر عرض کریں کہ حضرت عثمانؓ نے خود عوام کے خرچ پر عوام تک پہنچنے کی کوشش کی کہ بیت المال خلیفہ کا نہیں عام مسلمانوں کا بیت المال تھا، اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب تھے اس لئے کہ اگر وہ مسلمانوں کی طرف سے اس کے مجاز تھے کہ ان کے لئے روزینے مقرر کریں تو وہ اس کے بھی حقدار تھے کہ بیت المال کے حالات کے ماتحت وظیفوں کی مقدار بڑھا دیں یا گھٹا دیں لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اس اضافے نے وہ دروازہ کھول دیا جس کے بند کرنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے کہ اضافے کی تو حد ہی نہیں ہے پھر خلیفہ آج اگر عوام کے وظیفے بڑھا سکتا ہے تو کل اپنے خواص کے لئے بھی گنجائش نکال سکتا ہے اور پھر اس کے بعد عوام کی دولت کے لئے حرص و طمع کی راہیں کھل جاتی ہیں، حضرت عثمانؓ ایک فیاض اور دریا دل سخی تھے، اللہ کی راہ میں اپنی دولت بے حساب خرچ فرماتے تھے، اپنے دوستوں اور عزیزوں پر بھی بے شمار صرف کرتے تھے، ان کا یہ عمل نہ صرف یہ کہ قابل اعتراض نہ تھا بلکہ خدا کی طرف سے جزائے خیر کا مستحق ہے لیکن حضرت عثمانؓ کی دولت بہرحال عوام کی گنجائش کے لئے تنگ تھی اور وہ اس میں سے عوام کے وظیفوں کی مقدار نہیں بڑھا سکتے تھے۔ اس لئے انھوں نے خود عوام ہی کی دولت سے ان کے روزینوں میں اضافہ کر دیا اور ایک ایسا دروازہ کھول دیا جس میں داخل ہونا تو لوگ جانتے تھے لیکن اس سے نکلنا انھیں معلوم نہ تھا۔

پس یہ بات صحیح نہیں کہ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں بڑی احتیاط کے

کے ساتھ حضرت عمرؓ کے طریق پر کاربند رہے، محض منصب خلافت کے حاصل ہونے پر یکایک وظیفوں میں اضافہ فاروق اعظم کا طریق کار نہ تھا، حضرت عثمانؓ نے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا اور اُن کی روزی بڑھادی، ظاہر ہے کہ یہ بات عوام کی نگاہ میں قابل اعتراض نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اپنی خوش حالی میں اضافہ سے کوئی رنجیدہ نہیں ہوتا، بلکہ فطری بات تو یہ ہے کہ لوگوں نے اس بات پر ٹھنڈی سانس لی ہوگی کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی ان کی آمدنی بڑھادی ان کو فاروقی شدت سے رہائی دلائی اُن کی معتدل فراغت میں جو حضرت عمر کی مالی سیاست کا نتیجہ تھی غیر معمولی وسعت پیدا کر دی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے زندگی بھر اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش نظر رکھی :۔

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک

ولا تبسطھا کل البسط فتقعد

ملوما محسورا

وظیفوں میں اضافہ پھر حضرت عثمانؓ نے وظیفوں میں اضافے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بقول مورخین شہروں سے وفود طلب کئے تاکہ لوگ وظیفے اور مراعات پا سکیں، اخراجات میں اضافے کی یہ وہ مد تھی جس کا حضرت عمرؓ خیال بھی نہیں فرما سکتے تھے، حضرت عمرؓ نے تو مدینہ والوں کے لئے رمضان کے دنوں میں جو خصوصی اضافہ منظور فرمایا تھا وہ ہر ایک کے لئے روزانہ ایک ایک درہم اور ازواج مطہرات کے لئے دو دو درہم تھا، یہ اضافہ ان کی فارغ البالی کے لئے کافی تھا اور وہ بال بچوں سمیت اس سے خوش تھے حضرت عمرؓ نے لنگر خانوں میں بھی اضافہ فرمایا جب آپ نے محسوس کیا کہ اس طرح لوگوں کی خودداری بھی باقی رہتی ہے اور ان افراد کے لئے بھی سہولت ہوتی ہے جو دوسروں کے کفیل ہیں لیکن جب حضرت عثمانؓ کے عہد میں رمضان کے دن آئے تو انھوں نے فاروقی اضافے کے علاوہ لنگر خانوں کو تمام ضرورت مندوں اور بر وقت آنے والوں کے لئے عام کر دیا۔

بلاشبہ حضرت عثمانؓ کا یہ طریقہ نیکی اور سلوک میں ڈوبا ہوا طریقہ تھا، لیکن اس میں بھی شک

نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے عوام کے مال میں لوگوں کے لئے حرص و طمع کی ایک راہ نکلتی تھی اور زیادہ سے زیادہ اپنا بھلا کرنے کا جذبہ رغبت پا رہا تھا، ہر آدمی اپنی خواہش پر اتنا قابو یافتہ کہاں کہ انتہائی مجبوری ہی پر لنگر خانوں میں داخل ہو، بلکہ بہت سے لوگ ایسے ہو سکتے ہیں کہ اپنے عام مقررہ روزینے میں روزے کا اضافہ شامل کر لینے کے بعد بھی لنگر خانے چلے جائیں اور ضرورت مندوں اور تازہ واردوں کی طرح شکم سیر ہوں۔

یہ سب کچھ حضرت عثمانؓ کی فیاضی اور دریا دلی ہے اور یقیناً اس میں اچھائی اور بھلائی کے مواقع ہیں لیکن یہ بعض ان خطرات سے خالی نہیں جو سیاسی اور اخلاقی پہلو رکھتے ہیں پھر اس میں بدگمانی اور فضول گوئی کے لئے بھی گنجائش ہے اور ایک نقاد کو کون روک سکتا ہے کہ وہ خود خیال کرے یا لوگوں تک اپنا یہ خیال پہنچائے کہ یہ دریا دلی درحقیقت ایک پبلسٹی تھی جو ایک خلیفہ نے اپنے حق میں سخاوت اور فیاضی کے نام پر کی۔

جلیل القدر صحابہ پر نظر کرم پھر حضرت عثمانؓ کی سخاوت یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جیسے جیسے دن گذرتے گئے اور آپ کی خلافت آگے بڑھتی گئی، آپ نے ممتاز صحابہ کو ان کے مقررہ وظیفے پر مستزاد عطیات دیئے ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ نے زبیر ابن عوام کو ۶ لاکھ، طلحہ کو ۲ لاکھ کا عطیہ دیا اور ان پر آپ کا جو کچھ قرض تھا وہ بھی معاف کر دیا، ابن سعد کہتے ہیں کہ زبیر کو جب یہ عطیہ ملا تو وہ لوگوں سے پوچھتے پھرتے تھے کہ کوئی بہتر سے بہتر کاروبار بتاؤ، جس میں، میں اپنا سرمایہ لگا کر نفع حاصل کر سکوں چنانچہ انھیں بتایا گیا کہ شہروں اور صوبوں میں مکانات تعمیر کرا لیجئے۔

عام معاملات میں فاروق اعظمؓ کی سیرت سے ہٹنے میں حضرت عثمانؓ یہیں آکر نہیں رُک گئے بلکہ انھوں نے اس سے بھی زیادہ خطرناک مخالف قدم اٹھایا اور جلیل القدر صحابہ کو اجازت دے دی کہ وہ حجاز سے باہر نکلیں اور مختلف مقامات پر جا کر بسیں حالانکہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ میں روک رکھا تھا اور اپنی خاص اجازت کے بغیر کسی کو باہر نہیں جانے دیتے تھے، وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں قریش اور فتنہ و فساد کے درمیان ایک دیوار ہوں، حضرت عثمانؓ نے یہ دیوار گرا دی۔

جب حضرت عثمانؓ نے لوگوں کے گذارے میں اضافہ کر دیا، اور انعام و اکرام کے طور پر بڑی بڑی رقمیں عنایت کر دیں پھر ان انعام و اکرام پانے والوں کو اس بات کی اجازت بھی دے دی کہ وہ ممالک محروسہ میں جہاں جی چاہے جا کر فاتح فوجیوں اور محکوم رعایا سے اپنے تعلقات بڑھائیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ ایک طرف ان کی ثروت اور دولت میں غیر معمولی ترقی ہو، دوسری طرف ان کے متبعین اور ماننے والوں کی تعداد بڑھے، اور پھر ان میں سے ہر ایک اپنی پارٹی کا لیڈر بنے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے معاملات کا والی بننے کا زیادہ حقدار خیال کرنے لگے اور اس کے لئے فرصت اور مواقع کی تلاش میں بھی رہنے لگے؟

ابھی ابھی ہم نے وہ فرامین نقل کئے ہیں جن میں حضرت عثمانؓ نے فاروق اعظمؓ اور صدیق اکبرؓ کے طریقِ عمل کی اتباع اپنے لئے ضروری قرار دی ہے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے کیوں ایک دوسری راہ اختیار کی؟ اس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں کہ دین کے بارے میں انھوں نے کوئی لیپا پوتی نہیں کی، یہ بھی یقینی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی انھوں نے اپنے مسلک کو شیخین کے طرزِ عمل کا مخالف خیال نہیں کیا، آپ نے جو کچھ کیا اس کا مقصد جان بوجھ کر کوئی زیادتی یا ہوس نہ تھی، لوگوں کا مال تھا لوگوں تک پہنچا دیا، بیت المال میں دولت جمع دیکھی، اس کے باقی رکھنے کی زیادہ فکر نہیں کی لوگوں کو دے دینا زیادہ مناسب جانا اور اس میں کیا حرج ہے کہ وہ اس مال میں سے کم یا زیادہ نبیؐ کے ان اصحاب کو بطور صلہ دے دیں جو اسلام کے امام اور حکومت کے بانی کی حیثیت رکھتے ہیں، جنہوں نے نبیؐ کی زندگی میں بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کیں اور شدید ترین آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے اللہ نے دولت کی فراوانی کر کے اپنا وعدہ پورا کیا، پھر ان مہاجرین کے علاوہ وہ کون لوگ ہیں جنہیں اس دولت سے مستفید ہونے کا حق ہے۔

بلاشبہ حضرت عثمانؓ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ موروثہ سنت کی کوئی خلاف ورزی کر رہے ہیں انھوں نے جو کچھ کیا وہ ان کی کریمانہ افتادِ طبع تھی، اور مسلمانوں کو

خوش حال بنانے کا جذبہ، نیز اصحاب رسول پر نظر عنایت، اور ان میں سے ایک بات بھی ایسی نہیں جسے گناہ کہا جا سکے، یہ تو آپ کی خوبی تھی، بھلائی تھی اور نیکی،

لوگوں کو بھی اس میں کوئی حرج کی بات نظر نہ آئی، انھیں دولت ملی انھوں نے ناپسند نہیں کیا اور نہ واپس کیا، ان میں سے کسی کو اس میں بھی کوئی حرج نظر نہیں آیا کہ نبی کے ممتاز اصحاب اور مہاجرین میں سے سابقین اولین انعام و اکرام کے مستحق بنیں، اور میرا خیال ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ عوام کی خوش حالی اور جلیل القدر صحابہ کی قدر دانی پر ہی اکتفا فرماتے تو لوگ ان سے ناراض نہ ہوتے اور شاید اسی مفہوم کی تعبیر مورخین کا یہ متفقہ بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا ابتدائی دور سکون اور خوش دلی کا دور تھا، نرمی، سہولت اور چشم پوشی نے مسلمانوں میں عثمانی خلافت کو حضرت عمرؓ کے مسلک سے کہیں زیادہ مقبول بنایا جس کی بنیاد شدت اور تدبر پر تھی، اور شدت اور تدبر کا تقاضا ہے کہ لوگ صبر کریں غیر معمولی ثابت قدمی اور ناقابل برداشت مصائب برداشت کریں۔

مناسب ہوگا کہ ہم حضرت عثمانؓ کو ان کی خلافت کے پہلے برس یا ابتدائی برسوں میں نرم اور فیاض پالیسی پر گامزن رہنے دیں اور ایک نظر اس جماعت پر ڈالیں جو اس عثمانی مسلک کی پیدا کردہ تھی تاکہ اس بات کا اندازہ لگایا جا سکے کہ حضرت عثمانؓ کی سیاست کامیابی سے ہم کنار ہو بھی سکتی تھی یا نہیں؟

حضرت عثمانؓ کی رعایا

طبری سری سے اور وہ شعیب سے اور وہ سیف سے اور وہ عمارۃ بن قعقاع سے اور وہ حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ

"حضرت عمرؓ نے ممتاز قریشی صحابہ پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ مدینہ چھوڑ کر باہر نہ جایا کریں اور اگر جانا ہو تو مقررہ مدت کے لئے اور وہ بھی خاص اجازت لے کر، اور جب ان لوگوں نے اس کی شکایت کی اور یہ شکایت حضرت عمرؓ تک پہنچی تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا —— سن لو میں نے

اونٹ کی طرح اسلام کی منزلیں مقرر کی ہیں، ابتداء میں اونٹ نوخیز ہوتا ہے، پھر اس کے آگے کے دانت ٹوٹتے ہیں، پھر اس کے بازو کے اس کے بعد وہ سدیس ہوتا ہے یعنی عمر کا پختہ اس کے بعد بازل یعنی بوڑھا، بوڑھے سے ترقی کی امید نہیں کی جاسکتی، ہاں سن لو یہ اسلام کے لئے انحطاط کا دور ہے قریش والے چاہتے ہیں کہ اللہ کا مال اس کے بندوں کے سوا دوسری مزدوروں میں رکھ لیں لیکن یاد رکھو کہ جب تک عمرؓ کی جان میں جان ہے ایسا نہیں ہوسکتا ہیں مکہ کے پہاڑ حرہ کی گھاٹی پر قریش کی گردن اور کمر پکڑے کھڑا رہوں گا اور ان کو آگ پر ٹوٹ پڑنے سے روکے رکھوں گا۔"

طبری ہی سری سے اور وہ شعیب سے اور وہ سیف سے اور وہ محمد اور طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ

"جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ان ممتاز صحابہ پر وہ نظر نہیں رکھی جو حضرت عمرؓ رکھتے تھے چنانچہ وہ شہروں میں جا بسے جہاں جاکر انھوں نے دنیا دیکھی اور دنیا نے ان کو دیکھا پھر کیا تھا عوام کا وہ طبقہ جس کا کسی ایثار و قربانی میں حصہ نہ تھا اور جو کسی اسلامی خصوصیت کا مالک نہ تھا، جماعتیں بن بن کر ان حضرات کے گرد جمع ہونے لگا ان کو ہر قسم کی امیدیں دلائیں اور حوصلے بڑھاتے تاکہ ان کے مقتدر ہونے کے بعد اس کو مقرب اور ساتھی بننے کا موقع ملے، یہ سب سے پہلا رخنہ تھا جو اسلام میں پڑا اور یہ سب سے پہلا فتنہ تھا جس کے عوام شکار بنے۔"

پھر طبری ہی سری سے اور وہ شعیب سے اور وہ سیف بن عمر اور شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ

"حضرت عمرؓ کا وصال اس حالت میں ہوا کہ قریش ان سے تنگ آچکے تھے جن کو انھوں نے مدینہ میں بند کر رکھا تھا اور ان کو مخاطب کرکے فرماتے تھے کہ مجھے قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرہ شہروں میں تمہارے پھیل جانے سے ہے، ان میں سے کبھی کوئی اگر جہاد میں جانے کی اجازت بھی چاہتا تو آپ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شرکت کرکے آپ نے اپنے لئے

بہت کچھ کرلیا ہے، اب تو تمہارے لئے جہاد سے بھی اچھا یہ ہے کہ نہ تم دنیا دیکھو اور نہ دنیا تم کو دیکھے، پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ان کے لئے راستہ صاف کر دیا اور وہ شہروں میں پھیل گئے اور لوگ ان کی طرف جھک پڑے، چنانچہ اس نقطہ نظر سے حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ سے زیادہ مقبول تھے[1]

اب ہم حضرت عثمانؓ کی قریشی رعایا سے بحث کی ابتدا کرتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ اس رعایا کے متعلق حضرت عمرؓ کا نقطہ نظر کیا تھا؟ فاروق اعظمؓ کو قریش سے جس قدر خطرہ تھا اتنا کسی اور سے نہ تھا، ساتھ ہی وہ اس سے بھی انتہائی خائف تھے کہ کہیں خود قریش فتنوں کا شکار نہ ہو جائیں، اس لئے کہ وہ اس قبیلے کی رگ رگ سے واقف تھے، وہ خوب جانتے تھے کہ اس میں بڑی سے بڑی قوت کیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کمزوری کہاں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ قریش جس میں خود حضرت عمرؓ نے پرورش پائی تھی اسلام کی حلقہ بگوشی سے پہلے قوت اور کمزوری یا خوبی اور خرابی دونوں میں ممتاز حیثیت کا مالک قبیلہ تھا، اس کی قوت کا سرچشمہ اس کا وہ پوزیشن تھا جو کعبۃ اللہ کی وجہ سے اس کو حاصل تھا، حج کے مناسک تمام تر اسی کے ساتھ وابستہ تھے۔ یہی قبیلہ تمام عربوں کو حج کراتا تھا اور ان پر ایک رہنمایانہ فوقیت اور غلبہ رکھتا تھا، اور یہ اس کا وہ امتیاز تھا جس میں کوئی اس کا شریک اور حصہ دار نہ تھا، اور اس لئے وہ خیال کرتا تھا کہ تمام دوسرے عربی قبائل پر اس کو ایک سیادت اور سرداری حاصل ہے، اور خود عربوں کو اس کی برتری اور سرداری کا اعتراف تھا اس لئے نہیں کہ وہ کوئی غیر معمولی جنگ جو اور بہادر قبیلہ ہے یا اس کی تلوار کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے، قریش عربوں کی نگاہ میں لڑاکو اور شیر دل آزما تھے ہی نہیں بلکہ اس لئے کہ دین کے تمام معاملات کا اسی قبیلے سے تعلق تھا اور دین کی ہر چھوٹی بڑی بات اسی کے ذریعے انجام پاتی تھی، اس کی قوت اور اقتدار کا دوسرا سرچشمہ اس کی وہ زبردست اور غیر معمولی تجارت تھی جو پورے عرب کے کاروبار پر غالب اور حاوی تھی، ان قوتوں کی بنا پر قریش نے اپنے قدم جمار کھے تھے اور حرم اور اس کے گرد و پیش

[1] تاریخ طبری ۳۵ھ کے حالات

کے مقامات کو امن اور سلامتی کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ قوت کے انھیں دو چشموں نے ان میں ہمت، حوصلہ تدبر اور چالاکی کے وہ اوصاف پیدا کر دیے تھے جن سے بنی ثقیف کے علاوہ تمام عربی قبیلے محروم تھے، بیوپار اور تجارت کی سرگرمیوں نے ان کو اس درمیانی کڑی کا درجہ دے دیا تھا جو مشرق قریب کو مشرق بعید سے ملا دیتی ہے اور اس اتصال کی وجہ سے مشرق اور مغرب کے یا یوں کہیے کہ روم اور ہندوستان کے درمیان تعلقات کا سبب بھی قریش تھے، قریشیوں نے اپنے اس پوزیشن کی بدولت غیر معمولی دولت پیدا کی اور دولت سے بھی کہیں بڑھ کر تجربات حاصل کیے اور معاملات میں پختگی پیدا کی بہرحال وہ دولت کی کثرت نے ان کو حرص کا سبق بھی دیا حفاظت کرنا اور انتہائی احتیاط اور باریک بینی سے نفع اندوزی کے لئے سرمایہ لگانا بھی سکھایا، پھر مسلسل تجربات، مختلف قوموں سے معاملات اور میل جول نیز دور دراز مقامات کے لمبے لمبے سفروں نے ان کو مشکلات کا مقابلہ کرنا، مصائب سے گذر جانا، اور دشواریوں پر قابو پالینا سکھایا، ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش عربی قبائل میں سب سے زیادہ پختہ کار ماہر اور چالاک قبیلہ بن گیا۔

یہ وہ اسباب تھے جس کے نتیجے میں قریشیوں کے حوصلے بڑھے، ان کی خواہشوں کی کوئی حد نہ رہی، ان کی طاقت برداشت نے مشقتوں کو آسان کر لیا، مشکلات کی ہنسی اڑائی اور ان کو حل کیا، وہ اس سے بھی آگے بڑھے اور اس سے بھی خطرناک منزل میں قدم رکھا، انھوں نے سماج کی مقررہ قدروں کو پامال کیا عوام کے مراسم اور دینی معتقدات کا مضحکہ اڑایا، اور اپنے نزدیک یا دور کے مفاد کی راہ میں سب کچھ مباح کر دیا دین کی امانت کا پردہ اپنی تدبیروں کے لئے استعمال کرتے رہے، حالانکہ دین سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، اس لئے کہ قریش کے سردار دین کو زیادہ سے زیادہ وسیلہ تصور کرتے تھے مقصد نہیں ان کی نگاہ میں بتوں کے مجسمے رزق اور اقتدار کا ذریعہ تھے اور کچھ نہیں قریش کا ایک مطلبی، چالاک، اور دبنگ سردار جب مشکلات میں گھر جاتا تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کس طرح بھنور سے صحیح سلامت نکل سکے گا۔

حضرت عمرؓ قریش کا یہ سب کچھ دیکھ چکے تھے، اس لئے ان کے فریب میں نہ آسکے اور اپنی رائے ان کے متعلق اس وقت بھی نہ بدل سکے جب قریش اسلام کی طاقت کا یقین کرکے اس کے حلقہ بگوش ہو چکے یہی وجہ تھی کہ آپ نے پوری احتیاط برتی اور اپنے مسلک میں ان کے لئے کسی نرمی اور چشم پوشی کی گنجائش نہیں رکھی اور کبھی یہ گوارا نہیں کیا کہ ان کو ہوس پورا کرنے، بڑے بڑے مقاصد پا لینے، اپنی شان بڑھانے اور دوسروں کو گھٹانے کا موقع ملے، بلاشبہ حضرت عمرؓ کی نگاہوں سے مہاجرین کی فضیلت اور امتیاز کا وہ درجہ اوجھل نہیں تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا چنانچہ انھوں نے ان کو ہر طرح مکرم اور معزز رکھا، اور اپنی بہت سی عنایتوں اور الطاف سے نوازتے رہے لیکن اعزاز و اکرام کی یہ تمام باتیں حضرت عمرؓ کو اس بات پر مطمئن اور رضامند نہ کر سکیں کہ اپنی خلافت کے دور میں مہاجرین کو ان کے من مانے مقاصد کے لئے آزاد چھوڑ دیں لا قریش کے بارے میں حضرت عمرؓ کا نقطۂ نظر آپ کے اس طرز عمل سے واضح ہو جاتا ہے پھر آپ کا یہ فرمانا کہ میں حرہ کی گھاٹی پر کھڑا قریش کو آگ میں کودنے سے روکے رکھوں گا اسی طرح جہاد میں شرکت کی اجازت مانگنے والے مہاجر صحابہ سے آپ کا یہ ارشاد کہ آپ نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ جہادوں میں شرکت کرکے اپنے لئے بہت کچھ کر لیا ہے اب آپ کے لئے جہاد سے بھی اچھا یہ ہے کہ دنیا کا منہ نہ دیکھیں اور نہ دنیا آپ کا منہ دیکھے آپ کا نقطۂ نظر اور زیادہ واضح کر دیتا ہے اور غالباً حضرت خالد بن ولید کے معاملے میں شدت، ان کی معزولی اور ان پر سخت احتساب، بحث کے وہ پہلو ہیں جو حضرت عمرؓ کے نقطۂ نظر کو سب سے زیادہ اُجاگر کرتے ہیں، حالانکہ خالد بن ولید خدا کی ان پر رحمت ہو عہد نبوی میں، پھر دور صدیقی میں، عربی رومی جنگ کے سلسلے میں تمام آزمائشوں میں ثابت قدم رہ چکے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کا سبب یہی تھا کہ وہ قریش کو اچھی طرح جانتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ قوت مل جانے کے بعد کس طرح وہ اس کا غلط استعمال کرنے لگتے ہیں اور اپنی کمزوریوں پر غالب آتے ہیں، اوپر کی سطروں میں قریش

کی جس قوت کی ہم نے تصویر کھینچی ہے یہی درحقیقت ان کی کمزوری یا خرابی کا سرچشمہ ہے، اس لئے کہ یہی قوت انھیں غلو پر آمادہ کرتی اور وہ نخوت اور تکبر کے بھنور میں پھنس جاتے، یہی قوت ان میں مال کی محبت اور پھر مال کی حرص پیدا کرتی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ استحصال اور ناحق وصولی کی زد میں آجاتے، یہی قوت ان کو اپنا بھلا چاہنے پر راغب کرتی اور وہ تیار ہو جاتے کہ فوری اور سہولت سے حاصل ہونے والے منافع سے لطف اندوز ہوں اور اس قسم کے منافع بسا اوقات گناہ سے خالی نہیں ہوتے، یہی قوت ان کو حرص و طمع کی دعوت دیتی جس کی کوئی حد ہی نہیں ہے چنانچہ حرص و طمع کے ہاتھوں وہ حدود سے بڑھ جاتے، جن باتوں کی خواہش مناسب نہیں ان کے حوصلے کرتے، اسی طرح جبر اور زیادتی کے مواقع بھی آجاتے، فاروق اعظم کو جب ان مہاجرین سے بھی یہ تمام خطرات تھے جنھیں نبی صلعم کی طویل صحبت حاصل تھی جو تمام مواقع پر آزمائشوں میں ثابت قدم رہے تو پھر وہ قریشی جو بہت بعد میں مسلمان ہوئے ان سے تو حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ محتاط اور پُر حذر رہنا ضروری تھا۔

یہ بعد میں اسلام لانے والے قریشی جن میں بہت سے جوان اور بوڑھے شامل ہیں ہنسی خوشی مسلمان نہیں ہوئے تھے، کچھ لوگ تو فتح کے نقارچی بن کر جب دیکھا کہ اسلام کا پلہ بھاری نظر آتا ہے تو اس طرف جھک پڑے اور کچھ لوگ مجبور ہوئے کہ سارا ملک اُمڈ آیا ہے اب ان کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں، مسلمان ہو گئے، بہرحال اسلام کے متعلق ان ایمان لانے والوں کا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ ایک دین ہے جس کا تعلق دلوں کی دنیا سے ہے جو اللہ کے شعائر اور حقوق سے وابستہ ہے بلکہ وہ تو اس کو ایک غیر معمولی "چانس" تصور کرتے تھے جس طرح کہ وہ اور بہت سے مواقع سے کبھی اپنے ملک میں اور کبھی بیرونی ممالک میں فائدہ اٹھاتے رہے، اسلام قبول کرتے وقت ان کے پیش نظر تھا کہ نبیؐ نے قریش سے اسلامی دعوت کے سلسلے میں وعدہ کیا ہے کہ وہ دنیا کی عزت اور عقبیٰ کا ثواب دونوں دیں گے چنانچہ بہت سے تو دنیا کی عزت اور خوش حالی کے خیال سے اور کچھ لوگ آخرت کے ثواب کا خیال کر کے مسلمان ہوئے، پھر اسی خیال سے انھوں نے جہاد اور فتوحات کی راہ میں مصائب برداشت کئے، قربانیاں کیں۔ اور یہ مصائب اور قربانیاں بعض مواقع پر اوروں سے بڑھ چڑھ کر رہیں۔